سرسید احمد خاں کی تصنیف "تفسیر القرآن" کا سابقہ صحفِ سماویہ سے اخذ واستدلال میں منہج واسلوب

Methodology and Approach to Derivate and Ratiocinate from the Previous Heavenly Books in Tafsīr ul Qur'ān by Sir Syed Ahmad Khan

محمد خبیب*

محمد افضل**

Abstract

Sir Syed Ahmed Khan is one of the great personalities in the British era of the Indian subcontinent. Whose services to the Muslims of India in religious, social, political and educational fields can never be denied? Sir Syed gave a satisfactory answer to the slanderous attacks of the missionaries and priests and it was said by the youth of the subcontinent that if Syed's writings had not passed through our eyes, we would have deviated from Islam. These were the effects of Sir Syed Ahmad Khan's writings and speeches which forced him to write a commentary to answer the objections of the missionaries and priests and on the other hand the faith in Islamic beliefs and fundamentals of Islam of modern educated class and the general Muslim public can be restored. In this regard, Sir Syed Ahmad Khan called the Previous Heavenly Books as a source of Tafsīr ul *Qur'ān* and tried to defend the objections against the *Qur'ān*, Islam and Muslims by deriving and reasoning from the Previous Heavenly Books and gave satisfactory answers. On the one hand, he answered twenty objections such as *Qur'ānic* articles and distortion of the *Qur'ān*; on the other hand, he demolished the basics of the Previous Heavenly Books while strengthening the fundamentals of Islam. If we look at Sir Syed Ahmad Khan's interpretation of the *Qur'ān* through the means of derivation and reasoning from the Previous Heavenly Books, it is found that he tried very hard to reduce the conflicting views of Christians and Muslims and tried to give a chance to bring them closer and understand each other. He made sure that the doubts of Muslims should be removed the correct dimension of Islam should be clarified for the Christian evangelists, leaders and pastors.

Keywords: Sir Syed Ahmed Khan, Tafsīr ul *Qur'ān*, Previous Heavenly Books, Christians and Muslims, Interfaith Harmony.

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مذاہبِ عالَم وبین المذاہب ہم آہنگی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

**اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

تعارف:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز حکومت کی سرپرستی میں مشنری تحریکیں عیسائیت کی تبلیغ میں سرگرم ہو چکی تھیں۔ مذہبِ اسلام کو عقل و نقل سے غیر ضروری اور غیر فطری قرار دینے اور مسلمانوں میں الحاد و تشکیک پیدا کرنے کے لیے تابڑتوڑ حملے جاری تھے۔ مغربی عیسائی مشنری کے برِّ صغیر کے مذاہب پر پُر فتن یلغار کے حالات میں سر سید احمد خاں اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے سرگرم ہوئے اور مسلمانوں کو اسلامی عقائد و اساسیات پر یقین بحال رکھنے اور الحاد و تشکیک کی تردید کے لیے کوشاں ہوئے حتیٰ کہ عام لوگوں کی طرف سے کہا جانے لگا کہ اگر سر سید کی تحریریں ہماری نظر سے نہ گزرتیں تو ہم اسلام سے منحرف ہو جاتے۔ سر سید احمد خاں نے قرآن مجید کی تفسیر بھی اسی سلسلے میں لکھی۔ اس تفسیر میں انہوں نے سابقہ آسمانی کتب کو اپنی تفسیر کے ایک مصدر کے طور پر اختیار کیا۔ آپ نے سابقہ آسمانی کتب سے استدلال کرتے ہوئے قرآن مجید، اسلام اور مسلمانوں پر اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا اور عیسائی مشنری کی مقدس اساسیات کو منہدم کرنے کی کوشش کی۔ سر سید احمد خاں نے مسلمانوں اور مسیحیوں میں باہمی ہم آہنگی پیدا کرنے کی سعی کی تاکہ ایک طرف مسلمانوں کے شبہات دور ہوں اور دوسری طرف مشنریوں کے لیے اسلام کی درست سمت واضح ہو سکے۔

تفسیر القرآن کے مؤلف سر سید احمد خاں کا تعارف:

سر سید احمد خاں برصغیر پاک و ہند کے برطانوی دور کے عظیم راہنماؤں میں سے ہیں۔ انہوں نے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی میدان میں مسلمانوں کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے افکار کا مرکزی خیال یہ تھا کہ زمانہ تبدیل ہو چکا ہے اس لیے مسلمانوں کو اپنے ظاہر و باطن میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔ آپ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ پرورش ننہال میں ہوئی۔ ۱۷، ۱۸ برس کی عمر میں شادی ہوئی۔[1] دلی کالج میں تعلیم پائی۔[2] فارسی، عربی اور طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔[3] ۱۸۳۷ء میں دفتر صدر امین دہلی "سررشتہ دار" مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۹۔۴۰ء میں منصفی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ انگریزی ملازمتوں کے سلسلہ میں ۱۸۵۸ء میں صدر الصدور کی حیثیت سے مراد آباد، ۱۸۶۲ء میں غازی پور، ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ اور ۱۸۶۷ء میں بنارس تبادلے

---

[1] سر سید احمد خاں، **سیرت فریدیہ**، (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۶۴ء)، ۱۶

[2] عثمانی، محمد نسیم، پروفیسر، **اردو میں تفسیری ادب**، (کراچی: ثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ، ایس ٹی ۱۰/۵ گلشن اقبال، ۱۹۹۴ء)، ۲۷۷۔۲۷۸

[3] حالی، الطاف حسین، مولانا، **حیات جاوید**، (میر پور: ارسلان بکس، ۲۰۰۰ء)، ۱: ۵۳۔۵۴

ہوتے رہے۔ ۱۸۷۶ء میں چھ سو ماہانہ وظیفہ پر ریٹائر ہو گئے۔۱۸۷۷ء میں کے سی ایس آئی یعنی سر کا خطاب ملا۔۱۸۸۹ء اڈنبرا یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لاز (ایل۔ایل۔ڈی)ڈگری حاصل کی۔۸۱ سال کی عمر میں ۱۸۹۸ء اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔[4]

سر سید احمد خاں نے بہت سی کتب تالیف کیں اور ان کے سینکڑوں مضامین شائع ہوئے۔ان کی تالیفات میں سے تفسیر القرآن، جام جم، جلاء القلوب بذکر المحبوب، انتخاب الاخوین، کلمۃ الحق، راہ سنت ورد بدعت، سلسلۃ الملوک، تحقیق لفظ نصاری، اسباب بغاوتِ ہند، تاریخ ضلع بجنور، سفر نامہ مسافران لندن، الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ، احکام طعام اہل کتاب، ہندوستان کا طریقہ تعلیم (انگریزی)، سفر نامہ پنجاب، سیرت فریدیہ، النظر فی بعض مسائل الامام الغزالی، خلق الانسان علی مافی القرآن، التماس بخدمت ساکنان ہندوستان در بار ترقی تعلیم ہند، تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام، رسالہ خیر خواہان مسلمان، آثار الصنادید قابلِ ذکر ہیں۔

۱۸۵۷ء جنگ آزادی میں شکست کے ساتھ ایک بہت بڑا سانحہ یہ تھا کہ ولی اللّٰہی جماعت دو گروہوں میں بٹ گئی تھی۔ایک گروہ حق کے اس جادۂ قدیمہ پر استوار رہا جو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حکمت بالغہ نے متعین کیا تھا۔اس گروہ کے رہنما مولانا قاسم نانوتویؒ تھے۔دوسرا گروہ سر سید احمد خاں کا تھا جنھوں نے برٹش استعمار اور ہندوؤں کی دشمنی میں پسے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کے لیے مسلمانوں کی اس حالت زار کے اصل اسباب تلاش کرنے اور ان کے حل پیش کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس نتیجہ پر پہنچے کے اب مسلمان حکومتِ سے ٹکر لے کر اور جدید علوم وفنون سے کنارہ کشی کر کے اپنا قومی وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اس راز کو پا لینے کے بعد عملی اقدام کرنے کا فیصلہ کیا کہ سیاسی میدان میں انگریز حکومت سے مفاہمت کی پالیسی اختیار کی جائے۔[5]

مشنری سرگرمیاں اور سر سید احمد خاں کا تفسیر القرآن تک تصنیفی ارتقائی سفر:

۱۸۵۷ء کے بعد مشنری کھُل کے عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے، جنہیں انگریز حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی۔پادری تحریر و تقریر اور بحث و مباحثہ سے اسلام پر تابڑ توڑ حملے کرتے۔وہ مذہب کی تبدیلی میں کسی پر جبر نہ کرتے تھے لیکن خفیہ تدابیر اختیار کرتے اور صرف اپنے مذہب ہی کی تبلیغ نہ کرتے بلکہ دوسرے مذاہب کی خامیاں بیان کرتے اور ان کو عقل و نقل سے غیر ضروری اور غیر فطری قرار دینے کی کوشش کرتے۔انگریز

4 ظفر حسین، ڈاکٹر، **سر سید اور حالی کا نظریہ فطرت**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ)، ۷۱

5 عثمانی، **اردو میں تفسیری ادب**، ۲۷۸۔۲۷۹

حکومت نے اسکولوں، کالجوں میں انگریزی نصاب ایسا متعین کیا تھا جس سے طلباء اپنے مذہب کے متعلق تشکیک کا شکار ہو رہے تھے۔ سر سید احمد خاں ان تمام معاملات پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ خود لکھتے ہیں:

> "طرز معاشرت باہم مختلف، ایک کی ضرورت دوسرے کی ضرورت سے متبائن اور اس سبب سے مسلمانوں کو ان کالجوں میں کوئی ذریعہ اپنی تعلیم کو ترقی دینے کا اور اپنی قومی فیلنگ کو بڑھانے کا، بلکہ اس کو قائم رکھنے کا نہیں، پس ان مدارس میں تعلیم پانے سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی کہ ہماری قوم، قوم بن سکے گی۔"[6]

اسی دور میں مسیحی مؤرخ "ولیم میور" نے "دی لائف آف محمد" کتاب لکھی جس میں حضور اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ گستاخانہ انداز سے ذکر تھی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے سر سید احمد خاں پر کیا کیفیت گزری، ذرا انہی کی زبانی ملاحظہ کریں۔

> "ان دنوں ذرا میرے دل کو سوزش ہے۔ ولیم میور نے جو کتاب آپؐ کے حال میں لکھی ہے، اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا اور ان کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آپؐ کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو گیا، حاضر کرو۔"[7]

سر سید احمد خاں کے درج بالا خیالات سے آپ کے دور کے حالات، عیسائیوں کے تابڑ توڑ حملے اور مسلمانوں میں الحاد و تشکیک پیدا کرنے اور آپ کے جزبات کا اندازہ ہوتا ہے اور پھر سر سید احمد خاں نے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لیے غیر معمولی مشکلات برداشت کیں۔ انگلستان کا سفر کیا اور "خطبات احمدیہ" نام سے کتاب تصنیف کی جس میں ولیم مور کے تحقیقی طریقہ کار پر تنقید کی اور اس کے اعتراضات کو نہایت تحقیقی و عملی انداز میں بیان کیا۔[8]

---

[6] نورالرحمٰن، **حیات سر سید**، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۵۰ء)، ۲۹

[7] سر سید احمد خاں، **خطوط سر سید**، (مکتوب: بنام محسن الملک) (بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۳۱ء)، ۳۸؛ حالی، **حیات جاوید**، ۲: ۴۷۱

[8] سر سید احمد خاں، **الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ**، (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، الکریم مارکیٹ، اردو بازار)، ۱۲

سر سید احمد خاں نے ولیم میور کے جواب میں "خطبات احمدیہ" میں اُن مسیحی مؤرخین کو بھی بطور استدلال پیش کیا جنہوں نے صداقت و ذہانت کا ثبوت پیش کیا اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کی۔ مثلاً ایڈورڈ گبن کا قول نقل کرتے ہیں کہ محمدؐ کا دین شکوک و شبہات سے پاک صاف ہے۔ قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی، انسانوں کی اور ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شئے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے فانی ہوتی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں اور نہ اس کا ثانی موجود ہے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں۔ وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور عقل کا کمال جو اس کو حاصل ہے وہ اس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے۔ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اس کے پیرووں نے ان کو نہایت مستحکم طور پر قبول کیا۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ ادراک اور قوائے عقلی سے بڑھ کر ہے۔[9]

اسی طرح سر سید مسٹر جان ڈیون پورٹ کے ایک اقتباس کو بھی خطبات احمدیہ میں جگہ دیتے ہیں کہ کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلہ جس میں اس کے ہم وطن مدت سے ڈوبے ہوئے تھے، خدائے برحق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں۔ مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا۔ نشے کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے منع کیا۔ بہتات سے کثرت ازدواج کا اس وقت رواج تھا، اس کو بہت کچھ گھٹا کر محدود کر دیا۔ غرضیکہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح کو ہم فریبی ٹھہرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کاروائی مکر پر مبنی تھی؟۔ نہیں ایسا نہیں کر سکتے۔ بے شک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور جو رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے۔ اس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے اور وفادار خادم گزرے ہیں اسی طرح محمدؐ کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے اللہ تعالیٰ کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی جیسی اوروں نے کی۔ اس بات پر کیوں یقین نہ کیا جائے کہ اس

---

[9] سر سید احمد خاں، **الخطبات الاحمدیہ**، ۵۰

کو اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعظیم سکھلانے کے لیے اور ان کی حالت کے مناسب ان کو ملکی اور اخلاقی امور میں نصیحت کرنے کے لیے خدا نے بھیجا تھا اور وہ راست بازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا۔[10]

مسٹر کارلائل کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں کہ ہم لوگوں (یعنی عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد ایک پر فن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور ان کا مذہب دیوانگی کا اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے، اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرائی جاتی ہیں۔ جو جو جھوٹی باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (یعنی عیسائیوں) نے اس انسان (یعنی محمدؐ) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دی جائے۔ اس وقت جتنے آدمی محمد کے کلام پر اعتماد رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کسی کے کلام پر اِس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔[11]

غرض یہ کہ سر سید احمد خاں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے جذبہ خیر سگالی رکھتے تھے تاکہ دورِ تشکیک میں مسلمان بہہ نہ جائیں اور مشنریوں کی سرگرمیاں آئے دن تیز ہو رہی تھیں۔ آپ نے اس دورِ تشکیک میں بائبل کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا تاکہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو قریب کیا جا سکے۔ ان کے شکوک و شبہات ختم کیے جا سکیں اور اتفاق و اتحاد کو مذہبی تقویت دینے کے لیے "تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام" کے نام سے بائبل کی جزوی تفسیر لکھی۔ اس میں لکھا کہ ہم مسلمان تورات، زبور، صحف انبیاء اور اناجیل پر اعتقاد رکھتے ہیں۔[12] اور مسلمانوں کو تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔[13]

بائبل کی اس اپنی تفسیر کے متعلق جان آرنلڈ کو لکھتے ہیں کہ مجھ کو یقین ہے کہ میری زندگی میں عام مسلمانوں کی گالیوں اور نفرت سے مجھے نجات نہ ملے گی۔ عیسائی بھی میری تفسیر سے خوش نہیں ہو سکتے کیوں کہ جس طرح میں انجیل کی تعلیم کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں اُسی طرح تثلیث کے مسئلہ کا قائل نہیں ہوں اس لیے کہ میں انجیل میں اس مسئلہ کی تائید یا وجود نہیں پاتا ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ مذہبِ اسلام صحیح ہے اور اس کی صحت اور وجود دونوں انجیل سے ثابت ہیں۔ اِس لیے مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میں کسی گروہ کے لوگوں کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا

---

[10] سر سید احمد خاں، الخطبات الاحمدیہ، ۴۹

[11] ایضاً، ۵۰

[12] سر سید احمد خاں، تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام (غازی پور)، ۱:۲۰۔۳۱

[13] سر سید احمد خاں، تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام، ۱:۶۲

عیسائی خوش کروں۔ میں حق پر ہوں اور اُس خدا کو خوش کرنا چاہتا ہوں جس کے روبرو سب کو ایک دن جانا ہے۔ البتہ میری یہ خواہش رہی ہے کہ مسلمان اور عیسائیوں میں محبت پیدا ہو۔ قرآن مجید کے موافق اگر کوئی فرقہ ہمارا دوست ہو سکتا ہے تو وہ عیسائی ہیں۔ [14]

اسی پس منظر میں سر سید احمد خاں نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ اس کے متعلق رضی الاسلام بیان کرتے ہیں کہ ملک کی باگ دوڑ انگریزوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد ان کی سرپرستی میں عیسائی مشنریاں بہت زیادہ سرگرم ہو گئیں اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے پیہم کوشش کرنے لگیں۔ اسلام ان کی راہ میں مزاحم بنتا تھا اس لیے وہ اسلامی عقائد، مصادر اور اساسیات میں عیب نکالنے لگے اور عیسائی پادری مسلم علماء کو مناظروں کا چیلنج دینے لگے۔ ان نازک حالات میں سر سید نے اس طرف خصوصی توجہ کی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے سرگرم ہوں۔ انہوں نے منصوبہ بنایا کہ ایک طرف دشمنان اسلام کے حملوں کا جواب دیا جائے تو دوسری طرف اسلامی عقائد و اساسیات پر مسلم عوام اور خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا ایمان بحال کیا جائے۔ تفسیر قرآن کی تالیف ان کے اسی منصوبہ کا ایک حصہ تھا۔ اس کے ذریعے وہ عیسائی پادریوں اور دیگر معترضین کے ان اعتراضات کا جواب دینا چاہتے تھے جو وہ قرآن میں مذکور بعض واقعات اور اس کی تعلیمات پر کرتے تھے۔ [15]

تفسیر القرآن میں پورے قرآن کی تفسیر نہیں ہے بلکہ سورۂ طٰہٰ تک تفسیر ہے۔ سر سید احمد خاں اس تفسیر کی تیاری میں اٹھارہ سال صرف کرنے کے بعد داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے اور تفسیر نا تمام رہ گئی۔ [16] آپ نے "التحریر فی اصول التفسیر" کے نام سے تفسیر القرآن کا مقدمہ لکھا جس میں پندرہ اصولِ تفسیر بیان کیے ہیں اور اپنی تمام تفسیر انہی اصولوں پر لکھی ہے۔ التحریر فی اصول التفسیر اور تفسیر کی سات جلدیں "دوست ایسوسی ایٹس، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور" نے ایک جلد میں شائع کی ہیں۔ تفسیر میں صفحے کے اوپر دو عمودی کالم ہیں۔ پہلے کالم میں قرآن کا متن اور سامنے والے کالم میں ترجمہ لکھتے ہیں۔ پھر نیچے والے کالم میں تفسیر لکھتے ہیں۔ تفسیر میں جب ایک مضمون کو شروع کرتے ہیں تو قرآن مجید میں بیان اس سے متعلقہ مکمل بحث کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[14] حالی، **حیات جاوید**، ۱: ۱۳۴۔۱۳۵

[15] صدیقی، یسین مظہر، ڈاکٹر، **سر سید اور علوم اسلامیہ**، (علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء)، ۶۴

[16] عثمانی، **اردو میں تفسیری ادب**، ۲۸۲

سابقہ صحفِ سماویہ سے اخذ واستدلال میں تفسیر القرآن کا منہج:

سرسید احمد خاں نے یہ تفسیر مغربی عیسائی مشنری کے برصغیر کے مذاہب پر یلغار اور پر فتن دور میں لکھی اور مقصد یہ تھا کہ دینِ اسلام اور کتابِ الٰہی سے متعلق شبہات کا رد کیا جا سکے۔ مسلمانان برصغیر کے اقدام کو لا مذہبی کی طرف اٹھنے سے روکا جائے اور استقلال مہیا کیا جائے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے اس بیان سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے۔

> "میں ایسے متعدد نوجوانوں سے واقف ہوں، جنہوں نے انگریزی تعلیم پانے کے زمانے میں مذہب کو بالکل خیر آباد کہہ دیا تھا اور بعضوں نے عیسائی ہونے کا ارادہ ٹھان لیا تھا اور ایسے تو بے شمار تھے جن کا ایک قدم لا مذہبی کی طرف اٹھتا تو دوسرا قدم مذہب کی طرف سے پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ مگر جب سے سرسید مرحوم کی تحریریں شائع ہونی شروع ہوئیں اس وقت سے جہاں ہم کو معلوم ہے یہ رخنہ تقریباً بالکل بند ہو گیا ہے۔ بعض مسلمان نوجوانوں نے اخباروں میں بذریعہ تحریر کے اور بعضوں نے پبلک لیکچروں میں اور بعضوں نے اپنے دوستوں سے زبانی بیان کیا کہ اگر سرسید احمد خاں کی تحریریں ہماری نظر سے نہ گزرتیں تو ہم اسلام سے منحرف ہو جاتے۔"[17]

اور یہی مقصد تفسیر القرآن لکھنے سے تھا۔ دفاع قرآن کے جذبہ سے سرشار سرسید احمد خاں کے مستشرقین اور مسیحی مبشرین کے قرآن اور اسلام پر اعتراضات کے جوابات کو قبول کر لیا گیا لیکن بعض تاویلات کی بنا پر ان کو ہدف تنقید بھی بنایا گیا لیکن کوئی شک نہیں ہے کہ سرسید احمد خاں نے تفسیرِ قرآن میں یہ ثابت کرنے کا خصوصی اہتمام کیا کہ قرآن مسلمانوں کی فطری رہنما کتاب ہے۔

اسی وجہ سے مولانا حالی لکھتے ہیں کہ:

> "اس تفسیر کو ہم اُن (سرسید) کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں۔"[18]

---

[17] حالی، الطاف حسین، مولانا، **مقالاتِ حالی**، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۷ء)، ۱: ۲۶۶۔۲۶۷

[18] حالی، **حیات جاوید**، ۱: ۲۶۷

مسیحی معترضین کے قرآن کریم سے متعلق شبہات پر سابقہ صحف ِسماویہ سے اخذ و استدلال کے ذریعے نقد:

سر سید احمد خاں نے مسیحی معترضین کے قرآن و اسلام پر شبہات کے مسکت جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً قرآن پر اعتراضات اور ان کی تردید میں رقمطراز ہیں کہ توریت اور صحف انبیاء اور انجیل کے قلمی نسخے جو اَب دنیا میں موجود ہیں وہ آپس میں نہایت مختلف ہیں۔ اگرچہ میں نہیں مانتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے صحف میں تحریف لفظی کی اور نہ علمائے متقدمین و محققین اس بات کے قائل تھے مگر علماء متاخرین قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیل کی ہے۔ اس پر عیسائی مصنفوں نے اس امر محال کے اثبات پر کوشش کی ہے کہ قرآن میں بھی تحریف ثابت کریں اور انہوں نے اپنی اس ناشدنی میں کامیاب ہونے کو تین امر پر استدلال کیا ہے۔ اوّل اختلاف قرأت پر ہے۔ دوم شیعہ مذہب کی ایسی روایتوں پر جن کو خود شیعہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔ جس میں کذاب اور ایک گروہ کے طرفدار راویوں نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں اور بھی آیتیں یا سورتیں حضرت علیؓ اور اہل بیت کی شان میں تھیں جو جامعین قرآن نے داخل نہیں کیں۔ سوم ان لغو اور بیہودہ روایتوں پر جن میں بعض آیات متروک التلاوت یا منسوخ التلاوت کا ہونا بیان کیا گیا ہے اور جن کو شریر و بدمذہب آدمیوں نے شہرت دیا ہے۔ قرآن مجید کے اختلافاتِ قرأت کو اور توریت و صحف انبیاء و زبور و انجیل کے اختلاف عبارت کو یکساں قرار دینا دیدہ دانستہ ایک غلطی کرنا ہے۔

مسٹر ہارن مختلف عبارتوں کے مختلف ہونے کے متعلق لکھتے ہیں کہ مختلف عبارتوں میں ایک ہی درست ہو سکتی ہے اور دوسری دیدہ دانستہ تبدیل کر دی گئی ہو گی یا نقل کرنے والوں سے غلطی ہو گئی ہو گی۔ پھر وہ یہودی اور عیسائی کتب مقدسہ میں اختلاف عبارت ہونے کی چار وجوہات ذکر کرتے ہیں کہ لکھنے والوں کی غلطی یا غفلت، اصل نسخوں کا ناقص یا غلط ہونا، اصل عبارات میں نقل کرنے والوں کا اصلاح کرنا یا دیدہ دانستہ مخالف فریق کے خلاف عبارت بگاڑ دینا۔ پس قرآن مجید کا کوئی بھی اختلاف قرأت ان حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ بھی مناسبت نہیں رکھتا۔[19]

علاوہ اس کے قرآن مجید کی تحریف ثابت کرنے کو عیسائی مصنفوں نے جن مذکورہ بالا مخرجوں پر استدلال کیا ہے اور جو مخرج فی نفسہ غلط ہیں ان کی غلطی ثابت کرنے پر ایک طولانی بحث کرنے سے زیادہ تر یہ مختصر بات بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جس بنا پر عیسائیوں نے تحریف قرآن کا دعویٰ کیا ہے۔ اس طرح پر دعویٰ کرنا

[19] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**،(لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، ۲۰۰۴ء)، ا: ۵۔۶

بمقابل ان مسلمانوں کے جو دعویٰ تحریف لفظی کا کتب مقدسہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ جس طرح یہ کہ اتبداء میں توریت، صحف انبیاء و انجیل و زبور لکھی گئی تھی بعد اس کی تحریر کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس میں تحریف لفظی کی ہے اور جملے اور کلمے اور آیتیں نکال دی ہیں اور اپنی طرف سے آیتیں اور جملے اور کلمے بلکہ کتابیں کی کتابیں لکھ کر داخل کر دی ہیں۔

پس اگر کوئی عیسائی اس کے مقابلہ میں قرآن کی تحریف کا دعویٰ کرنا چاہے تو اس کو اختلاف قرأت یا روایات غیر مسلمہ اہل مذہب کا پیش کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان کے مقابل جب ہو سکتا ہے جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ جو قرآن زید بن ثابت نے ابتداء میں لکھا تھا اس کی تحریر میں یہ آیت یا یہ سورت اس میں سے نکال دی گئی ہے اور یہ آیت یا کلمات بڑھا دیے گئے ہیں یا یہ صیغے یا یہ اعراب تبدیل کر دیے گئے ہیں اور اگر وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تو بالفرض زید بن ثابت نے جو کچھ کیا ہو، کیا ہو، مگر قرآن پر تحریف کا دعویٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ جیسا وہ جب لکھا گیا تھا۔ ویسا ہی اب تک موجود ہے۔[20]

جو کچھ حضرت زید بن ثابتؓ نے لکھا اور جس کی بعینہٖ نقل حضرت عثمانؓ نے، چنانچہ آج تک قرآن مجید اسی طرح محفوظ ہے۔ پس ہر شخص یہ بات کہہ سکے گا اور قبول کر سکے گا کہ دنیا میں کوئی قلمی کتاب بجز قرآن مجید کے ایسے موجود نہیں ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی ایسی ہی موجود ہو جیسی کہ پہلے دن لکھی گئی تھی۔ جس میں ایک شوشہ تک کا فرق نہیں اور باوجود یہ کہ لاکھوں قلمی نسخے اس کے پھیلے مگر سب یکساں ہیں۔ پھر ایسی کتاب کی نسبت یہ کہنا کہ اس میں بھی اس قسم کی تحریف ہوئی ہے جیسی کہ مسلمان توریت و انجیل میں بیان کرتے ہیں۔ ایسی بات ہے جس کا کوئی شخص نہ بت پرست، نہ یہودی، نہ عیسائی غرضیکہ کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ سر ولیم میور بھی اپنی کتاب لائف آف محمد میں تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جس کی عبارت بارہ سو برس تک ایسی خالص رہی ہو۔[21]

مضامین قرآن پر اعتراضات اور ان کے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعض مضامین اور احکام ایسے ہیں جو توریت یا انجیل کے مضامین سے یا یہودیوں کی روایات سے مطابقت رکھتے ہیں اور اس کا طرز کلام ایسا ہے جو زمانہ جاہلیت کے طرز کلام سے مناسبت رکھتا ہے اور بعض احکام ایسے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں بھی

---

[20] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**،ا: ٦

[21] ایضاً،ا: ۷۔۸

رائج تھے اور بعض جگہ طریقہ نظم قرآن ایسا ہے جو اور مشرک قوموں کی مقدس کتابوں میں بھی جن کو وہ الہامی سمجھتے تھے موجود ہے اور اس سبب سے مخالفین اسلام نے قرآن مجید پر اعتراض کیے ہیں اور کہا ہے کہ یہ باتیں وہاں سے لی گئی ہیں۔

مگر معترضوں کی یہ ایک اعلانیہ غلطی ہے۔ اس لیے کہ پیغمبر در حقیقت اس قوم کے لیے یا اس زمانہ کے لوگوں کے لیے جس میں وہ پیدا ہوئے۔ برائیوں کی اصلاح کرنے والے اور اچھی باتوں کی ترویج کرنے والے اور سچ بات کو ماننے والے اور حق بات کو بیان کرنے والے ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ کسی پیغمبر کے زمانہ سے پہلے جو باتیں مروج ہوں یا جو باتیں بطور مذہب کے جاری ہوں یا بطور تواریخی واقعات کے مشہور ہوں یا بطور مقدس کلام کے سمجھی جاتی ہوں یا اگلے ادیان حقہ کا بقیہ ہوں وہ سب غلط و جھوٹ اور خراب اور ناواجب ہوں بلکہ بالضرور سچ میں جھوٹ اور اچھی میں بُری ملی ہوتی ہیں اور اس لیے جو شخص کہ اصلاح کے منصب پر ہو اس کو ان اچھی باتوں کو قائم رکھنا اور سچ بات کو تسلیم کرنا اور نیک کاموں کو بحال رکھنا ضرور و لازم ہوتا ہے اور ایسا کرنا علانیہ نیکی اور بے ریائی اور اس اصلاح کرنے والے کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر قرآن مجید میں بھی ایسا ہے تو یہ وجہ اس پر کچھ اعتراض کی نہیں ہے بلکہ اس کی سچائی کی دلیل ہے۔[22]

مسیحی معترضین قرآنی قصص پر بہت زیادہ اعتراضات کرتے ہیں۔ سر سید احمد خاں بعض مقامات پر بذریعہ اسلوبِ تقابل بھی جواب دیتے ہیں مثلاً کتاب شموئیل میں طالوت اور جالوت کی لڑائی اور اس کے مارے جانے کا ذکر ہے۔ مگر طالوت کے لشکر کو دریا کے پانی پینے سے منع کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ توریت کی کتاب قضاۃ باب ہفتم میں جدعون کے لشکر کو ایک چشمہ کے پانی پینے سے منع کیا گیا تھا اس لیے عیسائی مورخ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں غلطی سے جدعون کے لشکر کے واقعہ کو طالوت کے لشکر کے واقعہ سے ملا دیا ہے۔ ان دونوں اعتراضات کے تسلیم کرنے کے لیے جو مخالفت کتاب شموئیل پر مبنی ہیں، ضرورت ہے کہ کتاب شموئیل میں جو واقعات اور جو ترتیب ان واقعات کی ہے ان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ بات بھی مان لی جائے کہ کوئی واقعہ طالوت کے لشکر کا ایسا نہیں ہے جو کتاب شموئیل میں لکھنے سے رہ گیا ہو حالانکہ خود عیسائی مورخ ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ شموئیل کی کتابوں کے مضامین میں باہم اختلاف ہے۔۔۔ اس اختلاف کے سبب خود عیسائی مورخوں کی یہ رائے ہے کہ کتاب شموئیل میں قصہ الٹ پلٹ ہو گیا ہے۔۔۔ انہی اختلافات کے سبب بعض عیسائی عالموں کی یہ

[22] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، ۱: ۱۰

رائے ہے کہ سارے کا سارا ستر ہو اں باب الحاقی و نامعتبر ہے۔۔۔ اگر در حقیقت ایسا ہی ہو کہ تین ہاتھوں نے ان کتابوں کو لکھا ہو تو واقعات کا الٹ پلٹ ہو جانا یا بعض واقعات کا تحریر سے رہ جانا ایک ایسا امر ہے جو آسانی سے خیال میں آسکتا ہے۔ ہماری غرض اس بحث سے شموئیل کی کتابوں پر جرح و قدح کی نہیں ہے بلکہ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید پر اس وجہ سے کہ شموئیل کی کتابوں سے بیان میں مختلف ہے اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اور طرح پر اس کی غلطی ثابت نہ کی جائے۔[23]

خاں صاحب اپنے اس منہج کا ذکر کرتے ہیں جس سے وہ درج بالا شبہات کی تردید میں لکھتے ہیں:

"میں یہ نہیں چاہتا کہ قرآن مجید کے بیانات کی صحت پر کسی کو اس وجہ پر مجبور کروں کہ قرآن میں لکھا ہے بلکہ میں دونوں واقعوں پر جو قرآن و کتاب شموئیل میں مندرج ہیں بطور ایک نکتہ چین مورخ کے غور کرنا اور اس نکتہ چینی سے دونوں قولوں میں سے ایک کو ترجیح دینا چاہتا ہوں۔"[24]

جو لوگ توریت کے ان مقامات کو جو قرآن مجید کے بیان کے مخالف ہیں، قرآن مجید کی غلطی ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں ان کو ایسی جرأت کرنے سے پہلے توریت کے مضامین مندرجہ کی صحت ثابت کرنی چاہیے اور ان کو اس بات کو بھولنا نہیں چاہیے کہ اب تک یہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے کہ موجودہ توریت کس نے لکھی اور کب لکھی گئی۔ خود توریت سے واضح ہے کہ اس کے مضامین یاد سے اور کچھ تحریروں سے اخذ کیے گئے ہیں۔۔۔ پس یہ امر کہ کوئی واقعہ جو توریت کے برخلاف ہو وہ صحیح نہیں ہے اس کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ توریت میں احکام الٰہی بھی مندرج ہیں اور وہ "فِيهَا هُدًى وَنُورٌ"[25] کہنے کی مستحق ہے اور تاریخی واقعات بھی جو غلطی سے پاک نہیں۔[26]

---

[23] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، ا: ۲۸۶۔۲۸۹

[24] ایضاً، ا: ۲۸۹

[25] المائدۃ: ۴۴

[26] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، ۳: ۲۰۲

اسلام پر اعتراضات کا سابقہ صحفِ سماویہ سے استدلال کے ذریعہ دفاع:

خاں صاحب نے مذہبِ اسلام کے دفاع کی غرض سے ہی یہ تفسیر لکھی۔ مثلاً آیتِ کریمہ "وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه"[27] کے تحت کہتے ہیں کہ اس اور بعد کی آیات میں کافروں یا دشمنوں سے لڑنے کا حکم ہے مگر صاف ذکر ہے کہ جو تم سے لڑیں ان سے لڑو اور زیادتی مت کرو۔ اگر لوگ مذہب اسلام پر یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اس میں تحمل و بردباری اور عاجزی اور مذہب کے سبب سے جو تکلیفیں کافروں کی طرف سے پہنچیں ان کی وجہ سے صبر برداشت نہیں ہے اور یہ باتیں مذہب کی سچائی اور نیکی اور اخلاق اور خدا کی راہ میں تکالیف برداشت کرنے کے برخلاف ہیں۔ مگر یہ ایک بڑی غلطی اور ناسمجھی ہے۔۔۔ مذہب اسلام میں اگرچہ جابجا عفو و صبر و تحمل کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں اور لوگوں کو اس پر رغبت دلائی گئی ہے مگر اسی کے ساتھ بدلہ لینے کی بھی بغیر زیادتی اجازت ہے۔ کیا یہ قانون دنیا کے پیدا کرنے والے کے قانون قدرت کے مناسب نہیں ہے؟ اور کیا اس قانون سے زیادہ عمدہ اور سچا کوئی قانون ہو سکتا ہے؟

کوئی کتاب دنیا میں انجیل سے زیادہ انسان کو نرم مزاج اور بردبار اور متحمل کرنے والی اور اخلاق کو ایسی چمک سے دکھانے والی جس سے آنکھوں میں چکا چوند آجائے نہیں ہے۔۔۔ مگر ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان کالوگوں میں کیا اثر ہوا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے۔ بلاشبہ یہ مسئلہ اخلاق کے خیال سے تو بڑا عمدہ معلوم ہوتا ہے مگر کسی زمانہ کے لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے؟ اگر دنیا اس پر عمل کرے تو دنیا کا کیا حال ہو؟ یہ سب ناشدنی باتیں ہیں جو خیال میں شدنی قرار دے کر انسان خیالی اور جھوٹی خوشی حاصل کرتا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ تو اپنے کل کے کھانے کی فکر مت کر، خدا کل کی روزی پہنچانے کی فکر کرنے والا ہے لیکن دل کو یہ مقولہ نہایت ہی پیارا اور اس پیارے خدا پر اعتماد دلانے والا معلوم ہوتا ہے مگر کبھی کسی نے اس پر عمل کیا ہے؟ آئندہ کبھی اس پر عمل ہوگا؟ اگر ہم اس ناشدنی امر کو ایک لمحہ کے لیے شدنی تصور کر کے تمام دنیا کے لوگوں کو اسی مقولہ پر عمل کرتا ہوا سمجھ لیں تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ پس اس قسم کی تمام باتیں انسان کو دھوکہ دینے والی ہیں اور قانون قدرت کے برخلاف ہونے سے خود اپنی سچائی کو مشتبہ کرتی ہیں۔[28]

عیسائی مذہب جس کی جڑ ایسی نیکی اور نرمی اور اخلاق میں لگائی گئی تھی وہ پھولا و پھلا اور سرسبز و شاداب ہوا۔ اس کو چھوڑ دو کہ وہ کس سبب سے بڑھا اور سرسبز ہوا۔ مگر دیکھو کہ اس نے کیا پھل پیدا کیا۔ ایک بھی نصیحت

---

[27] البقرۃ:۱۹۰

[28] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**،۱: ۲۴۸۔۲۵۱

اس کی کام نہ آئی اور خود مذہب سے جو خونریزی اور بے رحمی اور نا انصافی اور درندوں سے بھی زیادہ بد خصلت دکھلائی وہ شاید دنیا میں بے مثل ہو گی اور جس نیکی میں اس کی جڑ لگائی گئی تھی اس نے کچھ پھل نہ دیا کیونکہ قانون قدرت کے برخلاف لگائی گئی تھی۔ [29]

معجزات کی قانونِ فطرت سے مطابقت میں سابقہ صحفِ سماویہ سے استدلال:

سرسید احمد خاں لوگوں کو اسلام کی نقائص سے پاک تصویر پیش کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام معجزات کا محتاج نہیں ہے اور اگر قانون فطرت کے تحت معجزات کا ہی انکار کر دیا جائے تو ایک اعتراض تو کم ہو جائے گا برخلاف مسیحیت کے، کیونکہ مسیحیت کی تو بنیاد معجزات پر ہے اگر مسیحیت سے بابِ معجزات نکال دیا جائے تو مسیحیت کی بنیادیں ہی متزلزل ہو جائیں گی۔

حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش پر بحث میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ کے سب لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے والد یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ کے، مگر وہ حضرت مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا روحانی اعتبار سے مانتے تھے اور اس بات کو نہایت صفائی سے سینٹ پال نے اپنے خط میں بیان کیا ہے۔ زمانہ کے گزرنے پر وہ خیال جس سے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہا محو ہو گیا اور لوگ حضرت مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھنے لگے اور اسی کے ساتھ یہ کہنے لگے کہ ان کی بن باپ پیدائش ہوئی تھی۔ [30]

ایسے ہی موسیٰؑ کے ہاتھ بارہ چشموں کے اجرا کے متعلق لکھتے ہیں کہ مقام "مرہ" کے پاس پہاڑیاں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ "اِضْرِب بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ" [31] یعنی اپنے عصا کے سہارے اس پہاڑی پر چڑھ چل۔ اس پہاڑی کے آگے ایک جگہ جس کو توریت میں ایلم لکھا ہے وہاں بارہ چشمے جاری تھے جس طرح پہاڑی ملک میں پہاڑوں کی جڑ یا چٹانوں کی دراڑوں میں سے جاری ہوتے ہیں جن کی نسبت خدا نے فرمایا ہے

---

[29] سرسید احمد خان، **تفسیر القرآن**، ۱: ۲۵۱

[30] ایضاً، ۲: ۲۴

[31] البقرۃ:۲۰

کہ ''فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا''[32] "اس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے" اگر ہم تورات کی عبارت پر یقین کریں تو اس سے یہی پایا جاتا ہے۔[33]

''وَ ظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَام''[34] "اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا" کے تحت لکھتے ہیں کہ توریت میں بنی اسرائیل پر بادلوں کی چھاؤں ہونے کا واقعہ عجیب طرح سے لکھا ہے کہ بادل تمام دن بنی اسرائیل کو راہ بتانے کیلیے ان کے آگے آگے چلتا تھا۔[35] قرآن مجید سے بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ بادل کا پھرنا نہیں معلوم ہوتا، اس آیت سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ کسی وقت دھوپ اور گرمی کی سختی میں بادل آجانے سے خدا نے ان کی تکلیف کو دور کر دیا، جس کا بطور ایک احسان کے ذکر کیا ہے۔۔۔ خدا تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں جابجا بندوں پر انہی باتوں سے اپنا احسان جتلایا ہے اور انہی کو بطور معجزہ کے بتلایا ہے۔ جس کو اس نے اپنی قدرت کاملہ سے، موافق قانون قدرت کے پیدا کیا ہے۔[36]

مخفی مخلوقات کی تأویل میں سابقہ صحفِ سماویہ سے استدلال:

سر سید احمد خان نے سائنسی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن کی تفسیر کی ہے اور ہر اس بات کی تاویل کی جو مشاہدے سے ثابت نہ ہو سکے اور اپنی تأویل کے ثبوت کے لیے بعض مقامات پر سابقہ صحفِ سماویہ سے دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً جنّوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ لفظ "جن" کا اطلاق مکمل تمدنی حالت میں نہ ہونے والے وحشی اور جنگلی انسانوں پر ہے اور ہمارے ملکوں میں اب تک اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں اور چوکہ یہ لوگ ہمیشہ پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپے رہتے تھے اس لیے ان پر جن کا اطلاق ہوا، جس کا اطلاق ہر پوشیدہ اور مخفی چیز پر ہوتا ہے۔[37] اسی طرح جب حضرت سلیمانؑ کے قصہ کا جو توریت اور قرآن مجید میں ہے، مقابلہ کیا جاوے تو معلوم

---

[32] البقرۃ:۶۰

[33] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**،۱: ۱۱۷۔۱۱۸

[34] البقرۃ:۵۷

[35] کتاب مقدّس، **خروج**،۱۴: ۱۹۔۲۰؛ ۴۰: ۳۴۔۳۸،(یو ایس اے: نیو اردو بائبل ورزن، انٹر نیشنل بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۵ء)

[36] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**،۱: ۱۱۳۔۱۱۴

[37] ایضاً،۵: ۱۱۴۔۱۱۵

ہو گا کہ ان وحشی اور جنگلی اور پہاڑی آدمیوں پر جو حضرت سیلمان علیہ السلام کی سرکار میں عمارت کے لیے پہاڑ سے پتھر لاتے اور جنگلوں سے لکڑی کاٹنے کا کام سرانجام دیتے تھے، قرآن مجید میں جن کا اطلاق ہوا ہے۔[38]

فرشتوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ توریت اور صحف انبیاء اور انجیل میں فرشتہ کے لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں آیا ہے۔۔۔ توریت میں بہت جگہ فرشتوں کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ انسان دوسرے انسان کے پاس آئے اور ملاقات کرے اور باتیں کریں۔۔۔ حضرت لوطؑ کے حضور دو فرشتوں کے آنے کا تذکرہ ہے جو مسافر آدمیوں کی صورت میں آئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر میں ان کو مہمان رکھا اور ان کی ضیافت کی اور نان فطیری ان کے لیے پکائی اور انہوں نے کھائی۔ بائیں ہمہ بہت جگہ فرشتہ کا لفظ ایسے وجود ہائے روحانی یا عقول ملکی کی نسبت مستعمل ہوا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکامات بجالانے کے واسطے مامور ہیں۔۔۔ یہودیوں کی کتب مقدسہ میں فرشتے ہمیشہ مجسم ہو کر انسانی صورت میں دکھائی دیتے تھے اور کسی مقام پر اس بات کا تذکرہ نہیں ملتا کہ یہ اجسام حقیقی نہ تھے۔۔۔ عیسائی بھی اس سے منکر نہیں ہوسکتے۔[39]

قرآن مجید میں کلام مقصود میں کسی جگہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اس مراد سے استعمال نہیں ہوا ہے جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی۔ بر خلاف اس کے ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قوا پر جس سے انتظام عالم مربوط ہے اور اُن شیون قدرت کاملہ پروردگار پر جو اس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہے ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے۔ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے ہیں جو مختلف قوا کے تعبیر کرنے کو انہوں نے رکھ لیے تھے۔[40]

مفسرین پر قرآنی تفہیم اہلِ کتاب کے نظریات کے مطابق سمجھنے کے طرز عمل پر سابقہ صحفِ سماویہ سے استدلال کے ذریعے تنقید:

سر سید احمد خاں جگہ جگہ علماء اسلام پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ یہود کے پیرو ہیں۔ قرآنی مفاہیم کو بھی یہود و نصاریٰ کی کتب کے مطابق پیش کرتے ہیں یعنی قرآنی حقائق کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے نظریات کو قرآنی نظریات پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ قرآن حقائق واضح کرنے کے لیے آیا ہے لیکن مفسرین اپنی تفاسیر میں قرآن کا پھر وہی مفہوم بنا دیتے ہیں جو یہود و نصاریٰ سے سمجھا ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں متعدد ایسے قصے بیان

---

38 سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۵: ۱۱۶۔۱۱۷

39 ایضاً، ۱: ۱۵۵۔۱۵۹

40 ایضاً، ۱: ۱۶۴۔۱۶۶

ہوئے ہیں جو توریت میں بھی مذکور ہیں مگر ان قصوں کو قرآن مجید میں اس طرح تحریر ہے جس سے وہ غلطیاں جو توریت میں ان قصوں کی نسبت ہیں، دور ہو جاتی ہیں پس ان قصوں کی تفسیر میں ہر جگہ توریت کی اور یہودیوں کی روایتوں کی تقلید کرنا صریح غلطی ہے بلکہ سب سے متقدم قرآن مجید کے لفظوں پر غور کرنا چاہیے کہ ان سے کیا مطلب حاصل ہوتا ہے اگر وہی مطلب حاصل ہو جو توریت میں ہے تو توریت یا یہودیوں کی روایت کو اس کی تفسیر میں بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں ہے مگر قرآن مجید کے الفاظ کو خواہ مخواہ توریت یا یہودیوں کی روایتوں کے مطابق پھیر پھار کر لانا صریح غلطی ہے۔ 41دل و دماغ کو ان خیالات سے جو قرآن مجید پر غور کرنے اور قرآن مجید کا مطلب سمجھنے سے پہلے عیسائیوں کی صحیح وغلط روایات کی تقلید سے بٹھا لیے ہیں خالی کر کے نفس قرآن پر بنظر تحقیق غور کیا جائے۔ 42

علماء اسلام اور مفسرین عظام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے اس طرح فرمایا ہے کہ "وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ" 43 اور سورۃ المائدۃ میں یوں فرمایا ہے "وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِي" 44 لیکن علمائے اسلام کی عادت کہ قرآن کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق سوچ فکر اپنا لیتے ہیں لہٰذا انہوں نے ان روایتوں سے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مردوں کو جلا دیتے تھے۔ 45 آیتِ کریمہ "وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَام" 46کے تحت لکھتے ہیں کہ ہمارے علماء و مفسرین نے بھی اپنی عادت کے موافق یہودیوں کی پیروی کی ہے اور اس فرمانِ الٰہی کی توضیح میں ایسی قسم کی باتیں جن کا اشارہ تک اس آیت میں نہیں ہے، بیان کی ہیں۔ 47 مسئلہ وفاتِ مسیح کے تحت لکھتے ہیں کہ مسلمان مفسروں کی عادت ہے کہ پرانے قصوں میں بغیر تحقیقات اصلیت کے اور بلا غور کرنے کے مقصد قرآن مجید پر جہاں

---

41 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۵: ۴۳

42 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲: ۱۵۱

43 ۔ آلِ عمران ۳: ۴۹

44 ۔ المائدۃ ۵: ۱۱۰

45 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲: ۱۵۹

46 ۔ البقرۃ ۲: ۵۷

47 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱: ۱۱۳۔۱۱۴

تک ہو سکتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کو لے لیتے ہیں۔ 48 آیتِ کریمہ ''وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى'' 49کے تحت لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف لفظ ''رُسُلُنَآ'' یعنی ہمارے بھیجے ہوئے کا ذکر ہے۔ مسلمان مفسروں نے صرف یہودیوں کی روایتوں سے جن کی وہ ہمیشہ ایسے مقاموں میں پیروی کرتے ہیں، ان کو فرشتے تسلیم کیا ہے مگر قرآں مجید سے ان کا فرشتہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علمائے مفسرین نے قرآن مجید پر غور کرنے کی بجائے یہودیوں کی روایتوں کے مطابق فرشتہ ہونا تسلیم کرلیا ہے حالانکہ وہ بھلے چنگے بشر تھے۔ 50

آیتِ کریمہ ''اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ'' 51کے تحت لکھتے ہیں کہ علمائے یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ جب کہ تمام قربانیاں آسمان کی آگ سے قبول ہوتی تھیں توغالب ہے کہ ہابیل کی قربانی بھی اسی طرح قبول ہوئی ہوگی کہ آسمان سے آگ اتری ہوگی اور اس کو جلادیا ہوگا۔ ہمارے علمائے مفسرین جو ان باتوں میں ٹھیک ٹھیک علمائے یہود کے مقلد ہیں انہوں نے یہودیوں سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا، یہودیوں نے توبطور ظن غالب اس بات کو لکھا تھا، مگر ہمارے علمانے بطور یقین اپنی تفسیروں میں لکھ دیا کہ آسمانی آگ نے ہابیل کی نذر کو راکھ کر دیا۔'' 52 آیتِ کریمہ ''وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً'' 53کے تحت قصہ آدم علیہ السلام وابلیس کے تذکرہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء اسلام نے جن کو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ہے، کہتے ہیں یہ جنت زمین پر تھی اور ہبوط سے انہوں نے جنت سے باہر نکال دینے کے معنی لیے۔ 54

---

48 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲: ۳۷

49 ۔ ھود ۱۱: ۶۹

50 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۵: ۲۰۔۲۱

51 ۔ المائدۃ ۵: ۲۷

52 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲: ۱۲۷۔۱۲۸

53 ۔ البقرۃ ۲: ۳۰

54 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱: ۶۷

مسلم عیسائی متحدہ نظریات سے اختلاف میں سابقہ صحفِ سماویہ سے استدلال

سر سید احمد خاں بر صغیر کے پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے سابقہ صحفِ سماویہ کو تفسیر قرآن کے مصدر کے طور پر متعارف کرایا۔ اس سے پہلے عرب ممالک میں ایسی تفاسیر لکھی جاچکی تھیں جن میں سابقہ صحفِ سماویہ سے اخذ و استدلال کیا گیا تھا لیکن سر سید احمد خاں نے اس تحقیق کو ایک نئی جہت دی اور ایک نیا طرز تحقیق اپنایا جو قبل اس سے نہیں تھا۔ تحریر کرتے ہیں:

"مجھے یہ پسند نہیں کہ قرآن مجید میں تحریر کی صحت پر کسی کو اس وجہ سے مجبور کروں کہ قرآن میں لکھا ہے، بلکہ میں دونوں واقعات پر جو قرآن و کتاب شموئیل میں مندرج ہیں، بطور ایک نکتہ چین مورخ کے غور کرنا اور اس نکتہ چینی سے دونوں قولوں میں سے ایک کو ترجیح دینا چاہتا ہوں۔" 55

لہٰذا سر سید احمد خاں بعض مقامات پر مسلم مفسرین پر تنقید کرتے ہیں اور بعض اوقات عیسائی مفسرین و موٴرخین کے خیالات کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور بعض اوقات جہاں مسلم مسیحی مفسرین و مورخین متحد ہوتے ہیں، ان سے اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً سر سید احمد خاں حضرت عیسیٰؑ کو یوسف کا بیٹا تصور کرتے ہیں اور مسلم و مسیحی نظریہ "بن باپ پیدائش" کی نفی کرتے ہیں۔ رقمطراز ہیں کہ عیسائی اور مسلمان دونوں کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صرف اللہ کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر ایسا ہی ہونا فرض کیا جائے تو اول اس بات پر غور کرنی ہوگی کہ بن باپ کے پیدا کرنے میں حکمت الٰہی کیا ہو سکتی ہے؟ ایسے واقعات جو خلاف عادت یا مافوق الفطرت تسلیم کیے جاتے ہیں ان سے یا تو قدرت کاملہ پروردگار کا اظہار مقصود ہونا چاہیے یا ان کا وقوع بطور معجزہ مانا جائے۔ جب کہ خدا تعالیٰ اقسام حیوانات کو بغیر توالد و تناسل کے عادۃ پیدا کرتا رہتا ہے اور خود انسان کو بھی بلکہ تمام حیوانات کو ابتداءً اس نے اسی طرح پیدا کیا ہے۔ 56 ہم انجیلوں میں متعدد جگہ پاتے ہیں کہ یوسفؑ کو حضرت مریمؑ کا شوہر اور حضرت مسیحؑ کو ان کے باپ یوسف کا بیٹا تسلیم کیا ہے۔۔۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور کے سب لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے باپ کے تخم سے جنم لیا ہے نہ کہ بغیر باپ کے مگر وہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا روحانی اعتبار سے کہتے تھے۔۔۔ جب

---

55 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن،۱: ۲۸۹

56 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن،۲: ۱۵

قرآن نازل ہوا تو حضرت عیسیٰؑ یہود اور نصاریٰ دونوں میں ابن مریم سے مشہور تھے۔ وہی مشہور لقب قرآن میں ذکر ہے، لہٰذا ان کا بے باپ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ 57

سابقہ صحفِ سماویہ کی تائید و تنقیص میں بائبل سے استدلال

سرسید احمد خاں سابقہ صحفِ سماویہ میں تحریف لفظی کے قائل نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود سابقہ صحفِ سماویہ پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں یعنی بعض جگہ بائبل کی تائید کرتے ہیں اور بعض جگہ پر تنقید۔ لکھتے ہیں:

"توریت اور صحف انبیاء اور انجیل کے قلمی نسخے جو اب دنیا میں موجود ہیں وہ آپس میں نہایت مختلف ہیں۔ اگرچہ میں اس بات کو نہیں مانتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے صحف میں لفظی تحریف کی ہے اور نہ علمائے متقدمین و محققین اس بات کے قائل تھے مگر علمائے متاخرین قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیل کی ہے"۔ 58

توریت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو لوگ توریت کے ان مقامات کو جو قرآن مجید کے بیان کے مخالف ہیں، قرآن مجید کی غلطی ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں ان کو ایسی جرأت کرنے سے پہلے توریت کے تمام مضامین مندرجہ کی صحت ثابت کرنی چاہیے اور ان کو اس بات کا بھولنا نہیں چاہیے کہ اب تک یہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے کہ موجودہ توریت کس نے لکھی اور کب لکھی گئی اور بہت سی باتیں جو اس زمانہ میں جب کہ وہ لکھی گئیں، یہودیوں میں مشہور و مروج تھیں وہ بھی اس میں داخل کی گئی ہیں۔ جو مضامین اس میں داخل ہیں وہ ایسے اضافہ آمیز ہیں کہ ان افسانوں کو علیحدہ نہ کرنے تک اصل واقعہ پر کسی طرح یقین نہیں ہو سکتا ہے۔۔۔ بلاشبہ توریت میں احکام الٰہی بھی مندرج ہیں اور وہ "فِيهَا هُدًى وَنُورٌ" کہنے کے مستحق ہیں اور تاریخی واقعات بھی ہیں جو غلطی سے پاک نہیں"۔ 59

انجیل سے متعلق کہتے ہیں:

"انجیل میں لکھا ہے کہ، کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے۔ بلاشبہ یہ مسئلہ اخلاق کے خیال سے تو بڑا عمدہ معلوم ہوتا ہے مگر کسی زمانہ کے لوگ عمل پیرا ہوئے اس پر؟ اگر دنیا

---

57 ۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲: ۲۲۔۳۵

58 ۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱: ۵

59 ۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ۳: ۲۰۲

عمل کرے تو دنیا کا کیا حال ہو؟ انجیل میں لکھا ہے کہ تو اپنے کل کے کھانے کی فکر مت کر، خدا کل کی روزی پہنچانے کی فکر کرنے والا ہے۔ دل کو یہ مقولہ نہایت ہی پیارا اور اس پیارے خدا پر اعتماد دلانے والا معلوم ہوتا ہے، مگر کبھی کسی نے اس پر عمل کیا ہے؟ آئندہ کبھی اس پر عمل ہو گا؟ اگر ہم اس ناشدنی امر کو ایک لحہ کے لیے شدنی تصور کر کے تمام دنیا کے لوگوں کو اسی مقولہ پر عمل کرتا ہوا سمجھ لیں تو دنیا کا کیا حال ہو گا؟ پس اس قسم کی تمام باتیں انسان کو دھوکہ دینے والی ہیں اور قانون قدرت کے برخلاف ہونے سے خود اپنی سچائی کو مشتبہ کرتی ہیں"۔ **60**

تمام انجیلیں اور حواریوں کے نامے اور اعمال جو ان انجیلوں کے اخیر میں شامل ہیں، یونانی زبان میں لکھے گئے ہیں لہٰذا یہ کتابیں عیسائی مذہب کو ان ملکوں میں رواج دینے کے لیے لکھی گئی تھیں جہاں یونانی زبان مروج تھی اور جہاں کے لوگ زیادہ تر یونانیوں کے سے خیالات رکھتے تھے۔ **61**

حاصل بحث

سر سید احمد خاں کا شمار برصغیر پاک و ہند کے برطانوی دور کی عظیم شخصیات میں ہوتا ہے۔ جن کی مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی میدان میں مسلمانانِ ہند کے لیے خدمات کا تاریخ کبھی انکار نہیں کر سکتی۔ سر سید احمد خاں کے افکار کا مرکزی خیال یہ تھا کہ زمانہ تبدیل ہو چکا ہے اس لیے مسلمانوں کو اپنے ظاہر و باطن میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔ اس دور میں حکومتی سرپرستی میں یہ مشنری مسلمانوں پر تحریر و تقریر اور بحث و مباحثہ میں نہ صرف تابڑ توڑ حملے کرنے لگے بلکہ اسکولوں کالجوں میں ایسا نصابِ تعلیم رائج کیا جسے پڑھ کر طلبہ تشکیک کا شکار ہو رہے تھے۔ سر سید احمد خاں ان تمام معاملات پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، و مذہبی بقا کے لیے وقف کر دیا اور رسائل و جرائد، تحریر و تقریر اور بحث مباحثہ کے ذریعے مسلمانوں کو نہ صرف حوصلہ دیا بلکہ دورِ جدید میں ان کو آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا۔ سر سید نے مشنریوں اور پادریوں کے تابڑ توڑ حملوں کا تسلی بخش جواب دیا اور نوجوانان برصغیر کی طرف سے یہ کہا جانے لگا کہ اگر سیّد صاحب کی تحریریں ہماری نظر سے نہ گزریں ہوتیں تو ہم اسلام سے منحرف ہو جاتے۔ سر سید احمد خاں کی تحریر و تقریر کے یہی وہ اثرات تھے جنہوں نے ان کو تفسیر لکھنے پر مجبور کر دیا کہ ایک طرف دشمنان اسلام مشنریوں، پادریوں اور معترضین کے اعتراضات کا جواب دیا جا سکے اور دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور عام مسلم عوام کا ایمان اسلامی عقائد و اساسیات پر بحال

60 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱: ۲۵۰۔۲۵۱

61 ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۵: ۲۱

کیاجا سکے۔ تفسیر قرآن میں انہوں نے لکھا کہ وہ قرآن کے نظریات اس لیے نہیں مانتے کہ وہ نظریات قرآن میں ہیں اور وہ قرآن کی ہر بات پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ ایسے نظریات کو فطرت و عقل کے اصول پر ثابت کرنے کی کوشش کی تا کہ تشکیک زدہ اذہان کو سہارا دے سکیں اور اس کے علاوہ مشنریوں اور پادریوں کے لیے بھی قابل قبول ہو سکیں۔ اس سلسلے میں سرسید احمد خاں نے تفسیر القرآن کا ایک مصدر سابقہ صحفِ سماویہ کو قرار دیا اور سابقہ صحفِ سماویہ سے اخذ و استدلال کرتے ہوئے قرآن، اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف قرآنی مضامین اور تحریف قرآن جیسے بیسیوں اعتراضات کا جواب دیا تو دوسری طرف اسلام کی اساسیات کو مضبوط کرتے ہوئے سابقہ صحفِ سماویہ کی اساسیات کو منہدم کیا۔ لیکن معجزات اور مخفی مخلوقات کے سلسلے میں انہوں نے اپنے اصول عقل و فطرت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ نہ صرف یہ کہ معجزات اور ملائکہ، جنات، اور جنت و دوزخ وغیرہ کی تاویلات کیں بلکہ اپنے دعویٰ کی مضبوطی کے لیے سابقہ صحفِ سماویہ سے اخذ و استدلال کیا۔ چونکہ یہ نظریات علمائے اسلام اور مفسرین کے نظریات سے متصادم تھے اس لیے انہوں نے علمائے اسلام اور مفسرین کے طرز تحقیق کو ہدف تنقید بنایا کہ علمائے اسلام اور مفسرین یہود و نصاریٰ کے نظریات کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ قرآن ہی ہے جو سابقہ صحفِ سماویہ کے عقائد و نظریات کی تصحیح کرتا ہے۔ لیکن جب ہم مجموعی طور پر سرسید حمد خاں کے سابقہ الہامی کتب سے اخذ و استدلال کے منہج پر نظر دوڑاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ خاں صاحب کی بھرپور کوشش رہی کہ مسیحی مسلمان اختلافی نظریات کو کم کیا جائے اور دونوں کو قریب آنے اور سمجھنے کا موقع دیا جائے۔ ایک طرف مسلمانوں کے شبہات دور کیے جائیں اور دوسری طرف مسیحی مبشرین، قائدین اور پادیوں کے لیے اسلام کی صحیح جہت واضح کی جا سکے۔